صفاتِ باری تعالیٰ اور انسان کا اخلاقی نصب العین

آسیہ شبیر *

صفاتِ الٰہیہ اور اخلاقی زندگی:

الہٰ ومعبود، کے تصورات حقیقی ہوں یا خود ساختہ، انسانوں کے لیے عبادت و پرستش اور خوف و امید کے مرکز ہونے کے علاوہ، دنیا کی ساری تہذیبوں میں نمونہ اخلاق بھی رہے ہیں۔ ہندو میتھالوجی ہو یا یونانی (۱) یا عربوں کے دیوی دیوتا، (۲) اساطیری داستانوں میں ان کے جنگ و جدل، خون آشامی، غیر اخلاقی اوصاف اور بدکرداری کے جو واقعات نقل کیے گئے ہیں، ان مذاہب کے پیروکاروں نے عام طور پر اخلاقی بے راہ روی کا جواز اپنے ان ''معبودوں'' ہی سے حاصل کیا ہے۔

مشرکانہ عقائد اور تہذیبوں کے مقابل رکھ کر دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی دعوت میں صفاتِ الٰہیہ کا ایجاب و تحقق ہمیشہ نمایاں کیوں رہا ہے۔۔۔اور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت اور اللہ کی آخری کتاب میں بھی، کیوں اس تعارف کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے حالانکہ خود قرآن ہی میں اس معاملے میں اقوامِ سابقہ کا لغزش کھانا اور گمراہی اور شرک میں مبتلا ہونا بھی بیان کیا گیا ہے۔ مسلم مفکرین نے اس ضرورت کو واضح کیا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بیان میں قرآن مجید نے سادہ اور دل نشین انداز میں صرف ان حقائق کی پردہ کشائی کی ہے جن کا تعلق قلب و روح کی اصلاح اور نفوس کے تزکیے کے ساتھ تھا۔ (۳) شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں بیانِ صفات اس لیے آیا کہ اس معرفت کے بغیر تہذیب نفوس ممکن ہی نہیں ہے (۴)۔ سید مودودیؒ کے بقول صفاتِ باری تعالیٰ کا صحیح، مکمل اور مفصل علم عطا فرما کر، اسلام نے اس کو اصلِ ایمان قرار دیا ہے، اور اس سے ''تزکیۂ نفس، اصلاحِ اخلاق اور بناءِ تمدن کا اتنا بڑا کام لیا ہے جو دنیا کے کسی مذہب و ملت نے نہیں لیا۔'' (۵)

مولانا حنیف ندویؒ اس صورتِ حال کے نتائج کی طرف یوں توجہ دلاتے ہیں:

> ''اگر محض توحیدِ ذات پر اصرار کیا جاتا اور صفاتِ باری تعالیٰ کے علم میں سے کچھ بھی عطا نہ ہوتا تو اساسِ اخلاق کیا قرار پاتی؟ نفیٔ صفات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا تصور بالکل غیر مفید یا غیر اخلاقی (Non Moral) ہو جاتا ہے، یعنی وہ موجودِ مطلق جس کے ساتھ صفات و نعوت کا کوئی تعلق نہیں، ہمارے لیے سرچشمۂ اقدار کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر، اگر وہ قدر الاقدار اور اخلاقی شعور و احساس کا سب سے بڑا منبع ہی خشک ہے اور کیفیات و شؤون کی نمی سے محروم ہے تو اس کے کائنات کے ساتھ تعلق و ربط کی نوعیت کیا ہوگی اور انسان

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

کے لیے ہدایت واخلاق کے سلسلے میں لائق اعتماد اساس ہی کیا باقی رہ جائے گی"(۶)

قرآن مجید میں تخلیق آدم علیہ السلام، اوران کے زمین پر اتارے جانے کا قصہ جس انداز میں بیان ہوا ہے، وہ بجائے خود مذاہب عالم کی تاریخ کا منفرد بیان ہے۔ انسان ازل سے جاری سابقہ زندگی کے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے پیدا نہیں ہوا، جیسا کہ ہندو اور بدھ مت میں سمجھا گیا، اور نہ ہی وہ گناہ ازلی (Original Sin) کی پاداش میں، راندۂ درگاہ بنا کر زمین پر اتارا گیا ہے، جیسا کہ یہودیوں اور مسیحیوں نے گمان کیا۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق احسن تقویم میں پیدا کیے جانے کے بعد انسان میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی روح پھونکی ﴿وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ﴾ (۷) اس کی نسلوں کو بھی مکرم قرار دیا ﴿وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ﴾ (۸) اور ﴿اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً﴾ (۹) کہہ کر واضح کر دیا کہ بندے اور رب کے تعلق کی حقیقی نوعیت کیا ہے اور انسان کا یہ منصبِ جلیل کیا تقاضا کرتا ہے کہ وہ کس نمونے کو پیش نظر رکھے؟ لغوی اعتبار سے خلیفہ وہ ہے جو مالک کے تفویض کردہ اختیارات اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ (۱۰) 'خلف فلان فلاناً فی الامر اذ قام فیه مقامه.' (۱۱) سید سلیمان ندوی استدلال کرتے ہیں کہ حقیقت میں انسان میں بھی اوصافِ الٰہی کا عکس مطلوب ہے۔ خلیفہ قرار دینے اور صفاتِ الٰہی کی معرفت عطا ہونے کی حکمت یہی ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا عقیدہ دینِ محمدیؐ میں صرف نظری نہیں ہے، بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے یعنی اس کے یہ محامد واوصاف اخلاقِ انسانی کا معیار ہیں۔ ان اوصاف کو چھوڑ کر، جو اس ذوالجلال کے لیے خاص ہیں اور جو بندے کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں، بقیہ اوصاف ومحامد انسان کے لیے قابلِ نقل ہیں کہ وہ خدا کے اوصاف اور محامد سے دور کی نسبت رکھتے ہیں۔ انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے تو اپنے اندر اس کے محامد واوصاف سے نسبت پیدا کرے۔ ان خوبیوں کو انتہائی معیار جان کر ان کی نقل وپیروی کی خواہش کرے۔ محامد الٰہی گویا استاذِ ازل کی وصلی (تختی) ہے جس کو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیے۔ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ آدم کا بیٹا زمین میں خدا کا نائب اور خلیفہ بنایا گیا ہے۔ خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف ومحامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا، اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کرے گا اور نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کر سکے گا۔" (۱۲)

قرآن مجید کی آیت کریمہ ﴿صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً﴾ (۱۳) کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ: یہاں 'صبغۃ' مفعول ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے صیغہ امر حذف ہوا ہے اور یہاں مراد ہے 'اطلبوا صبغة اللـه' (۱۴) اہلِ تفسیر نے متفقہ طور پر صبغۃ اللہ کی تفسیر دینِ فطرت سے کی ہے، (۱۵) جو انسانی شخصیت کو پاک اور صاف کرتا ہے، عقیدے اور عمل کے اتنے واضح اور نمایاں اثرات چھوڑتا ہے جیسے کپڑا رنگے جانے کے بعد اپنے رنگ کے باعث نمایاں ہو

جاتا ہے۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں:

"صبغة اللّٰه-----المراد بها دينه الّذی فطرالناس عليه لظهور اثره علی صاحبه کالصبغ فی الثوب۔" (١٦)

امام رازیؒ کے خیال میں بھی نظر آنے والے اوصاف وھیئات کی وجہ سے دین کو صبغۃ کہا گیا ہے۔

"سمّی الدين صبغة لأن هيئته تظهر بالمشاهدة" (١٧)

اخلاق و معاملات میں نمایاں اور ظاہر ہو جانے والا یہ رنگ وہی ہے جس کی شہادت نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے دی تھی اور بڑی وضاحت سے بیان کیا تھا کہ اسلام نے کس طرح ان کی زندگی، عقائد اور اخلاق کا رنگ ڈھنگ ہی بدل دیا ہے۔ (۱۸) قیصر روم کے دربار میں مسلمانوں کے بارے میں ابوسفیان نے یہی گواہی دی (۱۹) صحیح بخاری میں نقل کردہ ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابوذر غفاری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کا سنا تو اپنے بھائی کو اس نئی دعوت کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ لوٹے تو انہوں نے بھی یہی بتایا یہ دعوت، مکارمِ اخلاق کی دعوت ہے۔

قال ابو ذرّ: "لـمّا بلغه مبعث النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال لأ خيه اركب الی هذا الوادی فاسمع من قوله، فرجع فقال: رأيته يأمر بمكارم الاخلاق "(٢٠)

ذات باری تعالیٰ۔۔سر چشمہِ اقدار واخلاق:

انسانوں کی اخلاقی حس فطری ہے اور رب العالمین کی ودیعت کردہ (۲۱) یہی وجہ ہے کہ خیر اور حسنِ خلق کی اکثر صورتیں تمام انسانی معاشروں میں مستحسن سمجھی جاتی ہیں مثلاً سچائی، حلم، عدل، نرم روی اور جود و کرم وغیرہ۔۔شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ معرفتِ ذات کے دقیق حقائق کی بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے بیان کو انسانوں کے لیے معرفت کا ذریعہ بنایا ہے۔ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے انسانی صفات میں سے بعض ایسی صفتیں منتخب کیں جن سے لوگ عام طور پر واقف تھے اور ان سے متصف ہونے کو فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھتے تھے، اور ان صفات کو صفاتِ باری تعالیٰ کے باریک اور دقیق حقائق کی بجائے پیش کیا کہ بارگاہِ جلال تک انسانی عقل کی رسائی ناممکن تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اس کے مثل کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی تا کہ انسانی صفات کے انتساب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں لوگ غلط فہمی اور جہل مرکب کا شکار نہ ہونے پائیں۔ (اس کے ساتھ ساتھ) کچھ ایسی انسانی صفات بھی ہیں جو صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے شایانِ شان نہیں، بلکہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو انسان اوہامِ باطلہ اور غلط عقائد کا شکار ہو جاتے۔ مثلاً بچوں کی پیدائش، رونا دھونا، حزن و بے قراری وغیرہ۔ لہٰذا ان صفات کے اللہ

تعالیٰ کی طرف انتساب کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔'' (۲۲)

امام ابن قیمؒ صفاتِ الٰہیہ کی معرفت کو ''اعلیٰ ترین معارف'' میں سے قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان اسماء وصفات میں سے، جو بخاری کی روایت کے مطابق ننانوے بیان کی گئی ہیں، ہر ایک کے تقاضے ہیں۔ ان صفاتِ باری تعالیٰ پر غور وتدبر کیا جائے تو یہ تقاضے معلوم بھی ہوتے ہیں اور ان پر عمل کے لیے تحریک بھی ہوتی ہے۔

مدارج السالکین میں لکھتے ہیں:

(معرفة الاسماء والصّفات، هذا من اجلّ المعارف و اشرفها، و كل اسم من اسمائه سبحانه له صفة خاصّة، فانّ اسماء ه الحسنیٰ أوصاف مدح و كمال و كل صفة لها مقتضى و فعل، إما لازم وإما متعدّ، ولذلك الفعل تعلق بمفعول هو من لوازمه، وهذا فى خلقه و أمره وثوابه و عقابه، كل ذلك آثار الاسماء الحسنى وموجبا تها............والرّب تعالىٰ يحبّ ذاته واوصافه واسماء ه ،فهو عفو يحبّ العفو ويحبّ المغفرة و يحبّ التّوبة ويفرح بتوبة عبده حين يتوب اليه اعظم فرح يخطر بالبال، وكان تقدير ما يغفره ويعفو عن فاعله ويحلم عنه و يتوب عليه و يسامحه: من موجب اسمائه و صفاته......وحصول من يحبه و يرضاه من ذلك قال اللّٰه تعالى ﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف۷: ۱۸۰)والدّعاء بها يتناول دعاء المسألة ودعاء الثناء ودعاء التعبّد،وهو سبحانه يدعو عباده إلى أن يعرفوه بأسمائه و صفاته ويثنوا عليه بها......ويأخذوا بحظّهم من عبوديتها......وهو سبحانه يحبّ موجب اسمائه وصفاته فهو عليم،يحبّ كل عليم......جواد، يحب كلّ جواد......وتر،يحب الوتر......جميل، يحب الجمال ......عفو، يحب العفو واهله ...... حي، يحبّ الحياء وأهله ......برّ، يحبّ الابرار......شكور، يحبّ الشّاكرين......صبور، يحب الصّابرين......حليم، يحب اهل الحلم......فلمحبته سبحانه للتّوبة و المغفرة،والعفو والصفح خلق من يغفر له ويتوب عليه ويعفو عنه) (۲۳)

اپنے اس بیان میں امام ابن قیمؒ نے وحی الٰہی کی پیش کردہ ''راہِ سلوک'' کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے اور اس شخصیت و کردار کی گویا تصویر کشی کر دی ہے جو معرفتِ صفات باری تعالیٰ کی روشنی میں تشکیل پاتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے انداز میں، سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ قرآن مجید میں صفاتِ الٰہیہ کے بیان میں تعمیرِ اخلاق ہی کا مقصد کارفرما ہے۔

> اصل یہ ہے کہ قرآن نے اللہ پرستی کی بنیاد ہی اس جذبے پر رکھی ہے کہ انسان اللہ کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے۔ وہ انسان کے وجود کو ایک ایسی سرحد قرار دیتا ہے جہاں حیوانیت کا درجہ ختم ہوتا ہے اور ایک مافوق حیوانیت درجہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے انسان کا جوہرِ انسانیت جو اسے حیوانات کی سطح سے بلند وممتاز کرتا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ صفات الٰہی کا پرتو ہے اور اس لئے انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ صفات الٰہی کے ساتھ تخلق وتشبہ پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جہاں کہیں بھی انسان کی صفات کا ذکر کیا ہے انہیں براہِ راست اللہ کی طرف نسبت دی ہے حتیٰ کہ جوہرِ انسانیت کو اللہ کی روح پھونک دینے سے تعبیر کیا

ہے۔﴿ثُمَّ سَوّٰاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ (السجدة ۳۲:۹)

......''یعنی اللہ نے آدم میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا اور اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے اندر عقل وحواس کا چراغ روشن ہو گیا۔''

در ازل پر تو حسنت زتجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہ ہمہ عالم زد

اگر وہ اللہ کی رحمت کا تصور ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے تو یہ اس لئے ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ ہم بھی سرتا پا، سراپا محبت ہو جائیں اور اگر وہ اس کی ربوبیت کا مرقّع بار بار ہماری نگاہوں کے سامنے لاتا ہے تو یہ اس لئے کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی اپنے چہرۂ اخلاق میں ربوبیت کے سارے خال وخط پیدا کرلیں۔ اگر وہ اس کی رأفت وشفقت کا ذکر کرتا ہے، اس کے لطف وکرم کا جلوہ دکھاتا ہے، اس کے جود واحسان کا نقشہ کھینچتا ہے تو اسی لیے کہ وہ چاہتا ہے ہم میں بھی ان الٰہی صفتوں کا جلوہ نمودار ہو جائے۔ وہ بار بار ہمیں سناتا ہے کہ اللہ کی بخشش ودرگزر کی کوئی انتہا نہیں، اور اس طرح ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اس کے بندوں کی بخشش ودرگزر کا غیر محدود جوش پیدا ہو جانا چاہیے۔ اگر ہم اس کے بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق ہے کہ اپنی خطاؤں کے لئے اس کی بخشائشوں کا انتظار کریں۔'' (۲۴)

صفاتِ الٰہیہ کی اطلاقی شان اور حدیثِ نبویؐ:

احادیثِ نبویہ صفاتِ باری اور اخلاقِ انسانی کے درمیان تعلق کی مزید تشریح اور وضاحت کرتی ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خلق اللّٰه آدم علی صورته) (۲۵) وہ ذاتِ حق جسمانیت کے ہر شائبے سے پاک اور منزّہ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہاں آدم اور ابنائے آدم کی صورت معنوی ہی مراد ہے۔

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''اس صورت سے مقصود جسمانی نہیں، بلکہ معنوی شکل وصورت ہے۔ یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنی صفاتِ کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے۔ ان کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اور ان میں حدِ بشری تک ترقی کی استعداد بخشی ہے۔'' (۲۶)

احادیثِ نبویہ میں ان صفات کو چھوڑ کر، جیسے کبریائی، عظمت وغیرہ، جو اللہ کی ذات والا تبار کے لیے خاص ہیں، ان اوصاف میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی پیروی کی ہدایت اور تلقین بلکہ تاکید کی گئی ہے جو انسان کے لیے قابلِ نقل ہیں۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ایک حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس پر حرام کیا ہے کہ بندوں پر ظلم کروں۔ تو اے بندو تم بھی آپس میں ظلم نہ کرو۔

”عن ابی ذرّ قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فیما یروی عن ربّہ عزّوجل: إنی حرّمت علی نفسی الظلم علی عبادی، فلا تظالموا“ (۲۷)

یہ اسی فرمان الٰہی کی تفسیر ہے کہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (۲۸)

ایک اور حدیثِ نبوی اپنے اس مقصودِ کلام میں بڑی واضح ہے کہ اوصافِ الٰہی، انسانی اخلاق کا معیار ہیں۔ عمرہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”یا عائشة! انّ اللّٰہ رفیق یحبّ الرّفق ......ویعطی علی الرّفق مالا یعطی علی العنف، وما لا یعطی علی ما سواہ“ (۲۹)

رفق اور نرم خوئی کی خدائی صفت جب بندوں کے اخلاق کا حصہ بنتی ہے تو اسے حسن عطا کرتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں مزید وضاحت فرمائی گئی ہے:

”عن عائشة زوج النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: انّ الرّفق لایکون فی شیء إلّا زانہ ولا ینزع من شیء إلا شانہ“ (۳۰)

صلۂ رحمی کی تاکید کے لیے ایک حدیثِ قدسی میں ”رحم“ یعنی رشتہ قرابت کا تعلق اسمائے الٰہی کے ساتھ جوڑا گیا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی روایت کے مطابق:

”سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: قال اللّٰہ تبارك و تعالی أنا اللّٰہ و أنا الرّحمٰن خلقت الرحم وشققت لھا من اسمی فمن وصلھا وصلته ومن قطعھا بتتّه“ (۳۱)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے مجمع میں فرمایا۔ جس کے دل میں غرور کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ غرور ہے؟ تو فرمایا:

”انّ اللّٰہ عزوجل جمیل و یحب الجمال)...... (الکبر، بطر الحق وغمط الناس“ (۳۲)

یہ تو غرور نہیں، غرور حق کو پامال کرنا اور انسانوں کو دبانا ہے۔

ربوبیت، صفت الٰہی ہے وہ اپنے بندوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ انسانوں میں جو شخص بندوں کی حاجات کا خیال رکھے۔ وہ اللہ کے پسندیدہ بندوں میں سے ہے۔

”من کان فی حاجة أخیه کان اللّٰہ فی حاجته ومن فرّج عن مسلم کربة فرّج اللّٰہ عنه بھا کربة من کرب یوم القیٰمة ومن ستر مسلما......سترہ اللّٰہ یوم القیٰمة“ (۳۳)

عفو ودرگزر صفات الٰہی میں سے ہے۔ بندوں میں بھی یہ صفت مطلوب ومحمود ہے۔

﴿إِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوْهُ أَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ (۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ اے

اللہ کے رسول، ہم اپنے خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس شخص نے اپنا سوال دہرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے، جب اس نے تیسری مرتبہ پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر روز اس کو ستر مرتبہ معاف کیا کرو۔

"جاء رجل إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله كم نعفو عن الخادم؟ فصمتَ، ثم أعاد الرّجل الكلام فصمت، فلما كان فى الثّالثة قال: أعفو عنه فى كل يوم سبعين مرة" (۳۵)

صفاتِ باری کا رنگ اخلاق انسانی میں کتنا اور کیسا مطلوب ہے۔ اس کے لیے قرآن وحدیث میں دلائل بے شمار ہیں محض تین احادیث اوردرج کی جاتی ہیں جو اس تعلق کو مزید کھول کر بیان کرتی ہیں۔ سعد بن عبادہؓ نے جب ایک مرتبہ فرمایا کہ میں اپنی بیوی کو کسی مرد کے ساتھ دیکھ لوں تو فوراً اس کی گردن ماردوں گا۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو۔ خدا کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ اسی لیے اس نے فواحش کو حرام کیا ہے کھلے بھی اور چھپے بھی۔ اور اللہ سے بڑھ کر کسی کو معذرت پسند نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے (تاکہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اللہ سے بڑھ کر کسی کو مدحت پسند نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے (اپنی حمد وثنا پر) جنت کا وعدہ کیا ہے۔

"تعجبون من غيرة سعد......والله لأنا أغير منه ،والله أغير منّى، ومن أجل غيرة الله حرّم الفواحش ما ظهر منها وما بطن ولا أحدا أحبّ اليه العذر من الله، ومن اجل ذلك بعث المنذرين و المبشّرين، ولا احد أحبّ اليه المدحة من الله ومن اجل ذلك وعد اللّهُ الجنّة" (۳۶)

لوگوں کو اپنے پاکیزہ مال خرچ کرنے کی تلقین کے ساتھ آپ نے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کی صفت کو بیان فرمایا کہ وہ خود طیب اور پاکیزہ ہے اور محض پاک مال کو قبول کرتا ہے۔

"عن أبى هريرة: قال رسول اللّه صلى الله عليه وسلم ايها النّاس! إنّ الله طيّب لا يقبل إلا طيبا ......وإنّ اللّه امر المؤمنين بما أمر به المرسلين فقال ﴿يَاۤأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا اِنِّى بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ﴾(المؤمنون۲۳: ۵۱) وقال ﴿يَاۤأَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ﴾(البقرة۲:۱۷۲)ثم ذكر، الرجل يطيل السّفر، اشعث اغبر، يمدّ يديه إلى السماء ،يا رب يا رب! ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذى بالحرام،فأنّى يستجاب لذلك" (۳۷)

طہارت، نظافت، پاکیزگی اور سخاوت، صفاتِ الٰہیہ میں سے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ کو اپنی صفات پسند ہیں۔ (۳۸) یہ پسندیدگی انسان کی فطرت میں بھی ودیعت کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صفاتِ باری کے تناظر میں مسلمانوں کو بھی ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی تلقین فرمائی:

"إن اللّه طيّب، يحبّ الطيّب، نظيف يحبّ النظافة ، كريم يحبّ الكرم، جوّاد يحبّ الجود، فنظفوا ......اراه قال ......أفنيتكم ولا تشبّهوا باليهود" (۳۹)

تصورِ اخلاق کی وسعت اور تنگی:

انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی اخلاق میں ظاہر ہونے والی وسعت اور تنگی کا بھی صفاتِ الٰہی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مذاہبِ عالم میں یہودیت اس کی واضح مثال ہے۔ یہود نے معبودِ حقیقی کو صرف ''خداوند بنی اسرائیل'' ہونے تک محدود کر دیا جو صرف اپنی چنیدہ قوم پر انعام و اکرام کی بارش کرتا ہے، انھیں اپنا پہلوٹھا قرار دے کر زمین کی میراث عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور اہل زمین پر اپنی قضاوقدر کے نفاذ کے لیے انھیں اپنا آلہ اور جارحہ بناتا ہے۔ (۴۰)

اس تصور ''خداوند'' کے نتیجے میں ان کی اخلاقی وسعت بھی اسی قدر رہی، چنانچہ غیر یہود Gentiles کے لیے خدا کی زمین پر اور خدا کی شریعت میں کوئی حقوق نہیں ہیں۔ نہ جان و مال اور عزت و آبرو کا اور نہ ہی آزادیٔ عقیدہ کا حق......قرآنِ مجید نے ان کا طرزِ فکر بیان کیا تھا۔ ''قالوا لیس علینا فی الأمیین سبیل'' یہ کہتے ہیں امیوں (غیر اسرائیلیوں) کے معاملے میں ہم پر کوئی الزام اور مؤاخذہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر ان کی تردید بھی فرمائی ﴿وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (۴۱) یہ لوگ جانتے بوجھتے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ یہود کے اس انفرادی اور اجتماعی اخلاق و کردار میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ موجودہ ناجائز یہودی ریاست کا کردار اور مظلوم فلسطینی مردوں، عورتوں اور بچوں، ان کی املاک، کھیتوں اور باغوں کے ساتھ ہونے والا سلوک اس پر گواہ ہے۔ (۴۲)

مذہبی تنگ نظری میں یہود کے ہم پلّہ ہندو ہیں۔ الحادی اور لادینی فکر کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ نیشنلزم کے نام پر نام نہاد مہذب قوموں نے انسانیت پر جو مظالم ڈھائے ہیں، یہود و ہنود کی تنگ نظری سے کم نہیں ہیں۔ (۴۳)

اس کے مقابلے میں، صفاتِ الٰہیہ اور معرفت رب کے بیان میں اسلام میں جو وسعت ہے، وہی وسعت ایک مسلمان کی اخلاقی تعلیم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر رب النّاس اور ربّ العٰلمین ہے۔ سارے انسانوں کا رب اور انسانوں کے علاوہ زمین پر بسنے والی ہر مخلوق کا پالن ہار، تو ایک سچے مسلمان کو روا نہیں کہ وہ انسانوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا سوچے، اسے حیوانوں اور درختوں کے حقوق کا بھی خیال کرنا ہے۔ (۴۴) نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ایک عورت صرف اس بنا پر مبتلائے عذاب ہوئی کہ اس نے بلّی کو باندھ کر مار دیا تھا۔ نہ اسے کچھ کھانے کو دیا اور نہ خود خوراک حاصل کرنے کے قابل رہنے دیا۔ (۴۵) ایک شخص اس لیے بخش دیا گیا کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلانے کی مشقت اٹھائی تھی۔ (۴۶) مشہور حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے سے پوچھے گا کہ میں بھوکا تھا، تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ میں پیاسا تھا، مجھے پانی نہیں پلایا اور میں مریض تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی۔ (۴۷) زمین پر دوام حاصل کرنے کا نسخہ یہی بتایا گیا ہے کہ جو ''ربّ النّاس'' کے سارے بندوں کے لیے نافع ہوگا، وہی یہاں ٹھہرے گا اور قرار و استحکام حاصل کرے گا۔

﴿وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ﴾ (۴۸)

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا (۴۹)

صفاتِ الٰہیہ کے توقیفی ہونے کی حکمت:

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں، اسماء وصفاتِ الٰہیہ سے متعلق بڑی اہم رہنمائی دیتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"اللّٰھم إنی أسئلك بکلّ اسم ھو لك، سمّیت به فی نفسك، أو انزلته فی کتابك، أو علّمته احدا من خلقك، أو استأثرت به فی نفسك......" (۵۰)

گویا اسماء وصفات حقیقت میں تو اس سے کہیں بڑھ کر ہیں جتنا علم انسانوں کو عطا کیا گیا ہے، یا کتاب اللہ میں نازل کیا گیا ہے۔ تاہم انسانوں کے لیے اتنا ہی روا ہے کہ وہ یہیں تک محدود رہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت کو سمجھنے کی کوششوں اور اس خاص معاملے میں غیر معمولی تفکر سے بھی روکا گیا ہے اور خود سے اس کی صفات کے تعین سے بھی۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے اس موضوع کو بڑی خوبی سے بیان فرمایا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسمائے مقدسہ توقیفی ہیں۔ توقیفی کے معنی یہ ہیں کہ جب تک صفات کے اثبات کے لیے، یا کسی اسمِ پاک کے استعمال کے لیے ہمارے پاس نص شرعی کی سند نہ ہو، ہم اپنی رائے سے اس کو کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں کر سکتے اور نہ کوئی اسم اس کے لیے تجویز کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ہم وہ اصول جانتے ہیں جن پر شرع نے اثباتِ صفات کی بناء رکھی ہے۔ درحقیقت، کسی صفت یا اسم کے استعمال کو شروع سے سماع پر اس لیے موقوف رکھا گیا ہے کہ ان صفاتِ عالیہ کی حقیقت کا سمجھنا بہت دشوار ہے اور اگر ان سے متعلق بحث و تمحیص کی اجازت دی جائے تو اکثر لوگ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''(۵۱)

اپنی ایک اور کتاب ''البدور البازغہ'' میں، شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں میں سے مسئلۂ صفاتِ باری پر افراط وتفریط کا شکار ہو جانے والے گروہوں ''معتزلہ، مجسّمیہ''، مشبّھہ اور کج رو اہلِ کلام پر'' سخت تنقید کی ہے کہ صفاتِ الٰہیہ پر بحث کرتے ہوئے وہ فکر کی اس حد سے آگے نکل گئے جو انسانوں کے لیے شارع کی طرف سے مقرر کی گئی تھی۔ انھوں نے اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا کہ فہمِ انسانی کی رسائی، بہر حال ایک حد سے آگے نہیں ہے، اور یہی معاملہ اس کے نطق و بیان کا بھی ہے کہ وہ کتنے ہی مواقع پر ادائے مطلب سے قاصر اور اظہارِ حقیقت میں کوتاہ رہ جاتا ہے۔ (۵۲)

صفاتِ الٰہیہ کے توقیفی ہونے کی سب سے بڑی حکمت یہی ہے کہ اس اہم معاملے میں شارع کی فراہم کردہ رہنمائی پر

اکتفا کیا جائے۔ یہی محتاط اور محفوظ راستہ ہے۔قرآن وحدیث کی نصوص اس معاملے میں کافی ہیں کہ ان میں اثبات واتصاف بھی ملتا ہے، تنزیہہ وتقدیس بھی، اور گمراہ ہونے کا خطرہ بھی نہیں ہے۔

صفاتِ الٰہیہ کے استحضار اور غفلت کے نتائج:

صفاتِ الٰہیہ کا استحضار، انسان میں مطلوب اخلاق کی تعمیر کرتا ہے، اور ان اسماء وصفات سے غفلت اور بے پروائی، اخلاقِ حسنہ سے دور لے جاتی ہے۔امام رازی فرماتے ہیں کہ غفلت ورودِ جہنم کا موجب بن جاتی ہے کیونکہ جب دل غافل ہو، تو وہ شہوات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس معاملے میں آگے بڑھتا جاتا ہے۔معرفتِ الٰہی کا روزن کھل جائے، تب ہی ان خساروں اور آفات سے نجات مل سکتی ہے۔فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

"اعلم انّ اللّٰه تعالیٰ لما وصف المخلوقین لجھنم بقوله ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَٰفِلُونَ﴾ أمر بعده بذكر اللّٰه تعالیٰ فقال وللّٰه الاسماء الحسنیٰ فادعوه بها و هذا كالتّنبيه على انّ الموجب لدخول جهنّم هو الغفلة عن ذكر اللّٰه و المخلص عن عذاب جهنم هو ذكر اللّٰه ......واصحاب الذوق والمشاهدة يجدون من أرواحهم أن الامر كذلك فإنّ القلب إذا غفل عن ذكر اللّٰه و أقبل على الدّنيا و شهواتها،وقع فى باب الحرص وزمهرير الحرمان ولا يزال ينتقل من رغبة إلى رغبة ومن طلب إلى طلب، ومن ظلمة إلى ظلمة،فاذا انفتح على قلبه باب ذكر اللّٰه و معرفة اللّٰه تخلّص عن نيران الآفات و عن حسرات الخسارات واستشعر بمعرفة ربّ الارض والسمٰوٰت۔"(۵۳)

ڈاکٹر عبدالکریم عثمان اپنی کتاب معالم الثقافة الاسلامیه میں اخلاقِ انسانی پر ایمان باللہ اور صفاتِ الٰہیہ کی معرفت کے اثرات کے لازم وملزوم تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وحتّی یكتمل معنی الایمان لا بدّ ان یعرف المرء صفاته تعالى لأنّه اذا لم یعرف انّ اللّٰه واحد لا شریك له فى أُلُوهِيّته ......فكيف يرتدع عن طأطأة رأسه ومدّيده إلى غير اللّٰه، وكذٰلك اذا لم يكن موقنا بأنّ اللّٰه سميع عليم بصير بكل شيء فكيف يمسك عن معصيته والخروج عن امره۔ فالانسان لا يمكنه أن يتحلّى بالصّفات اللازمة التى يجب عليه أن يتحلّى بها فى افكاره و اعماله واخلاقه لسلوك صراط اللّٰه المستقيم مادام لايعرف صفات اللّٰه تعالیٰ ولا يحيط بها احاطة كاملة، هذا بالاضافة إلىٰ أنّ الصّفات الّتى وصف اللّٰه نفسه بها تبقى منارات أمام الانسان يجهد إلى ان يتمثّلها فى فكره و سلوكه فالكرم والحلم والاحسان،والرّأفة والرّحمة كلّها صفات وصف اللّٰه نفسه بها" (۵۴)

یعنی ایمان تب مکمل ہوتا ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات کے ساتھ حاصل کرے کیونکہ جب تک انسان یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور الوہیت میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے وہ غیر اللہ کے آگے سر

جھکانے اوران کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے کیسے بچ سکے گا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سمیع وعلیم وبصیر ہونے کا یقین نہ ہوتو وہ اس کی معصیت اوراس کے حکم کی حدود سے باہر نکل جانے سے کس طرح رکے گا؟ انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ صفاتِ لازمہ یعنی بنیادی انسانی اخلاق سے آراستہ ہوسکے، حالانکہ وہ اس کے لیے واجب ہیں، جب تک وہ اللہ کی صفات کو کامل طور پر نہ جان لے۔یہی صفات انسان کے لیے نشانِ راہ اور منارۂ نور بھی بنتی ہیں کہ وہ ان کے تفکر اور سلوک میں کوشاں رہے۔

فکروسلوک کی یہ راہ کٹھن ہے۔تاہم حدیثِ جبریل میں اسی کی راہ نمائی ملتی ہے۔((أن تعبد اللّٰه كأنّك تراه وإن لّم تكن تراه فإنّه يراك)) (۵۵)

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے کسی بھی معاملے میں حصولِ مقصد کی دوتدابیر کی نشاندہی کی ہے۔ایک تدبیر علمی ہے۔انسان اس معاملے کے فوائد ونقصانات پر غور کرے اور انھیں مستحضر رکھے۔دوسری تدبیر عملی ہے۔وہ یہ ہے کہ بتکلّف ان اعمال کے لیے کدوکاوش کو معمول بنائے۔شاہ صاحبؒ کے خیال میں تدبیرِ علمی زیادہ نافع ہے کیونکہ انسان کا عمل اس کے فکروخیال کے تابع ہے۔(۵۶) قرآنِ مجید کی دعوت فکروتدبر اور بیانِ صفات کا اہلِ ایمان سے یہی تقاضا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سید حامد علی، توحید اور شرک، ص۴۲۴-۴۳۱، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، نے ہندو اور یونانی میتھالوجی (صنمیات) سے چند مثالیں نقل کی ہیں جو ان دونوں مذاہب کے دیوی دیوتاؤں کے اخلاق و کردار کی گھٹیا اور رکیک تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورِ عالم، ۵۸۱/۱، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، لکھتے ہیں: ''متعدد بت ایسے تھے جن کی اصلیت کے متعلق نہایت گندے قصے مشہور تھے۔ مثلاً اساف اور نائلہ، جن کے مجسمے صفا اور مروہ پر رکھے ہوئے تھے، ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ دونوں اصل میں ایک عورت اور ایک مرد تھے، جنھوں نے خانۂ کعبہ میں بدکاری کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھروں کا بنا دیا۔

۳۔ محمد حنیف ندوی، عقلیاتِ ابن تیمیہؒ، ص۱۳۸-۱۴۱، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء

۴۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر، ص۸۲، قرآن محل کراچی، ۱۹۸۲ء

۵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص۱۳۳، مکتبہ جماعتِ اسلامی، ۱۹۹۵ء

۶۔ عقلیاتِ ابن تیمیہؒ، ص۱۸۰ ۷۔ الحجر ۲۹:۱۵

۸۔ الاسراء ۷۰:۱۷ ۹۔ البقرۃ ۳۰:۲

۱۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ۶۲/۱، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۴ء

۱۱۔ الدکتور عدنان زرزور، المختصر فی تفسیر القرآن، ص۶، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ

۱۲۔ شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، ۲۷۵/۴، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۱ء

۱۳۔ البقرۃ ۱۳۸:۲

۱۴۔ رازی، محمد بن عمر الحسین، فخر الدین، التفسیر الکبیر، ۹۶/۱، ۹۷، دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۰ء

۱۵۔ قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، ۱۴۰/۲، دار الکتب العربی، ۲۰۰۳ء ؛ زمخشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ۱۴۷/۱، مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ، ۲۰۰۲ء؛ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، فتح الرحمٰن، ص۲۷، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، س۔ن؛ التفسیر الکبیر، ۲۷/۱

۱۶۔ جلال الدین محلی / جلال الدین سیوطی، تفسیر الامامین جلالین، ص۲۸، دار العربیۃ، بیروت، ۱۳۹۴ھ

۱۷۔ التفسیر الکبیر، ۷۹/۴

۱۸۔ محمد بن اسحٰق، سیرت ابن ہشام، ۳۳۵/۱، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۱۹۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب بدء الوحی، رقم الحدیث ۷، ص۱، ۲، ابو سفیان نے دیگر باتوں کے علاوہ وہاں پر بھی کہا ''ویأمرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف والصلۃ۔''، موسوعۃ الحدیث الشریف، دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹م

۲۰۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، رقم الحدیث ۶۰۳۳، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۵۱۰

۲۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ۳۵۲/۶، ۳۵۳، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۴ء، سورۃ الشمس کی آیات ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (الشمس ۹۱: ۷، ۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''انسان کی ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک اخلاقی وجود ہے۔ اس حیثیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو خیر و شر کا امتیاز، خیر کے خیر ہونے اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا کیا ہے۔ یہ امتیاز و

احساس ایک عالم گیر حقیقت ہے جس کی بنا پر دنیا میں کبھی کوئی انسانی معاشرہ خیر وشر کے تصورات سے خالی نہیں رہا اور کوئی ایسا معاشرہ تاریخ میں کبھی پایا گیا ہے، نہ اب پایا جاتا ہے جس کے نظام میں بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ اس چیز کا ہر زمانے، ہر جگہ اور ہر مرحلۂ تہذیب وتمدن میں پایا جانا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے۔ مزید برآں یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ایک خالق حکیم ودانا نے اسے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے، کیونکہ جن اجزاء سے انسان مرکب ہے، اور جن قوانین کے تحت دنیا کا مادی نظام چل رہا ہے، ان کے اندر کہیں اخلاق کے مأخذ کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔''

۲۲۔ الفوز الکبیر، ص۴۲،۴۳

۲۳۔ ابن قیم الجوزیۃ، مدارج السالکین: ۱/۴۰۹-۴۱۱، مکتبہ دار البیان، دمشق، ۱۹۹۹ء

۲۴۔ ابوالکلام آزاد، ام الکتاب، (تفسیر سورۃ الفاتحۃ)، ۱: ۱۳۸، حذیفہ اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۲۵۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الاستئذان، باب بدء الاسلام، رقم الحدیث ۶۲۲۷، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۵۲۴

۲۶۔ سیرت النبی، ۴/۲۷۶

۲۷۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب البر، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث ۶۵۷۵، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۱۱۲۹

۲۸۔ الانفال، ۸: ۵۱

۲۹۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب البرّ، باب فضل الرفق، رقم الحدیث ۶۶۰۱، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۱۱۳۱

۳۰۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب البر، باب فضل الرفق، رقم الحدیث ۶۶۰۲، ص۱۱۳۱

۳۱۔ الجامع للترمذی، کتاب البرّ والصلۃ، باب ماجاء فی قطیعۃ الرحم، رقم الحدیث ۱۹۰۷، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۱۸۴۴

۳۲۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، رقم الحدیث ۱۴۸، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۶۹۴

۳۳۔ السنن لأبی داؤد، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، رقم الحدیث ۴۸۹۳، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۱۵۸۲

۳۴۔ النّساء ۴: ۱۴۹

۳۵۔ السنن لأبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی حق المملوک، رقم الحدیث ۵۱۶۴، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۱۶۰۰

۳۶۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التوحید، باب قول النبی لاشخص اغیر من اللّٰہ، رقم الحدیث ۷۴۱۶، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۶۱۷

۳۷۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتہا، رقم الحدیث ۲۳۴۶، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۸۳۸

۳۸۔ سیرت النبیؐ: ۴/۲۷۳

۳۹۔ الجامع للترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی النظافۃ، رقم الحدیث ۲۷۹۹، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص۱۹۳۲

۴۰۔ The Standard Jewish Encyclopaedia,P534, W.H. Allen, London, 1959

۴۱۔ آل عمران ۳: ۷۵

۴۲۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۱۰ء، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، عبدالغفار عزیز ''غزہ کے گرد موت کی دیوار''۔ یوں تو فلسطین، عالمی ذرائع ابلاغ کا روزانہ کا موضوع ہے۔ لیکن ۲۰۰۸ء میں غزہ پر مسلط کی جانے والی ''۲۴ روزہ مہیب جنگ'' نے پورے عالم میں ہر حساس شخص کو ہلا کر رکھ دیا تھا جب دنیا کی گنجان ترین آبادیوں میں سے ایک پر سفید فاسفورس کے بم برسائے گئے، جس نے ہڈیوں کے اوپر جو کچھ تھا، اسے پگھلا کر رکھ دیا۔ عورتیں، بچے، فصلیں، کھیت، کچھ بھی باقی نہ بچا۔

۴۳۔ ناؤم چومسکی Rogue States (اردو ترجمہ: سرکش ریاستیں) جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، اپنی اس کتاب میں ناؤم چومسکی نے نام نہاد مہذب مغربی ممالک، اور خاص طور پر امریکی پالیسیوں کو بے نقاب کیا ہے، کس طرح یہ ممالک طاقت کے زور پر کمزور ممالک کا فکری، سیاسی، تجارتی اور معاشی استحصال کرتے ہیں۔ محض چند مادی مفادات کے حصول کے لیے لاکھوں انسانی جانوں کے اتلاف کو بھی بے وقعت سمجھتے ہیں۔ بظاہر یہ سارا ظلم کسی دینی ''تعصب'' سے بالاتر ہو کر کیا جا رہا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کی تہہ میں ''امریکی نیشنلزم'' ہی کی روح کارفرما ہے۔ پوری کتاب ہی دیکھنے کے لائق ہے۔

۴۴۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، ص ۲۲۷-۲۳۰، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، بیسواں ایڈیشن، ۲۰۰۷ء، باب بعنوان اسلامی قوانین صلح و جنگ، نیز ملاحظہ ہو محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام کا نظریۂ اخلاق، ص ۳۴-۳۷، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، س۔ن

۴۵۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب البرّ، رقم الحدیث ۱۳۵، موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستۃ، ص ۱۱۳۵

۴٦۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب السلام، رقم الحدیث ۱۵۵، موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستۃ، ص ۱۱۷٦

۴۷۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب البر، رقم الحدیث ۴۳، موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستۃ، ص ۱۱۲۸

۴۸۔ الرّعد ۱۳:۱۷

۴۹۔ علامہ محمد اقبالؒ، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۱۱۰، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۵ء

۵۰۔ احمد بن حنبلؒ، الامام، مسند، الموسوعۃ الحدیثیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۹ء، ص ۴۵٦

۵۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، ۱/۳٦۷، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۳ء

۵۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، البدور البازغۃ، ص ۲٦۰، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۷۰ء

۵۳۔ التفسیر الکبیر، ۱٦/۵۴

۵۴۔ عبد الکریم عثمان، معالم الثقافۃ الاسلامیۃ، ص ۳۷، ۳۸، مؤسسۃ الانوار، الریاض، ۱۹۹۵ء

۵۵۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۹۳، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص ٦۸۱

۵٦۔ حجۃ اللہ البالغۃ، ۱/۳۳۰